بانی: حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ

قدس اللّٰہ سِرّہٗ السّعید مسند نشین رابع خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

ماہنامہ رحیمیہ لاہور

مدیرِ اعلیٰ: حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

جانشین حضرت اقدس رائے پوری رابع

مجلس ادارت

سرپرست: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن

صدر: مفتی عبدالمتین نعمانی

مدیر: محمد عباس شاد

- درسِ قرآن
- درسِ حدیث
- خطبات و بیانات
- نصیحت آموز حکایات
- اخلاقیات
- بچوں اور خواتین کا کالم
- رفتارِ کار

اداریہ

اسلام کا نظریۂ آزادی اور استحصالی نظام

•

ہماری آزادی کی حقیقت

•

یادوں کے دریچے

•

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ ؛ فکر اور جدوجہد

اگست 2014ء / شوال المکرّم 1435ھ - جلد نمبر 6، شمارہ نمبر 8 - قیمت فی شمارہ: مبلغ 20 روپے - سالانہ ممبرشپ: مبلغ 200 روپے - تین سالہ ممبرشپ: مبلغ 500 روپے

ارشادِ گرامی حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ

مسند نشینِ ثانی
خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

فرمایا: ''ایک بات میں سب کو خصوصاً علما حضرات کو — جو پڑھانے کا کام کرتے ہیں — کہنا چاہتا ہوں کہ خواہ دس منٹ میں، خواہ دس گھنٹے میں، خواہ دس دن میں یا دس سال میں، غرض جتنے عرصے میں بھی یہ خیال پک سکے، پکانے کی کوشش کرنی چاہیے کہ ''جو کام میں کر رہا ہوں، یہ اللہ واسطے ہو۔'' ایک تو منہیات ہیں، (جن سے شریعت نے منع کیا ہے) ایک مباحات اور ایک مستحبات وغیرہ۔ سب مباحات بھی اگر اس نیت کے ساتھ کیے جائیں' مستحب کا اثر ہو اور مستحب تو مستحب ہے ہی۔ ایک ہر کام کی اجمالی نیت ہے اور ایک ہر ہر کام کی تفصیلی نیت۔ جس شخص کو یہ مشق ہو جائے، غنیمت ہے۔ اگر ایک شخص اس نیت سے ہل چلاتا ہے کہ ''اس پر اپنے بیوی بچوں کی پرورش واجب ہے'' تو اس کا ہل چلانا جب کہ غفلت کے ساتھ نہ ہو، نوافل سے افضل ہے کہ وہ تو مستحب ہیں اور جو شخص غفلت سے فرائضِ نماز ادا کرتا ہے، اس کے فرائض سے بھی' پہلے شخص کا مباح کام افضل ہوا۔ جو لوگ دین کے کام میں لگے ہیں، اگر وہ نیت کو خالص اور تفصیلی طور پر تازہ کرتے رہیں تو یہی کام ان کے لیے اکسیر ہے۔ ذکر کی ضرورت نہیں، مگر چوں کہ ذکر کے بغیر غفلت بھی عموماً ضرور ہو جاتی ہے۔ اس لیے کچھ ذکر ضرور لگائے رکھنا چاہیے۔

(مجلس 13 ر رمضان المبارک 1365ھ/ 11 راگست 1946ء۔ رائپور) (ارشادات حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، ص: 44-143۔ طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور)

رحیمیہ کا انگلش ایڈیشن ہماری ویب سائٹ پر پڑھا جاسکتا ہے۔

ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ (ٹرسٹ رجسٹرڈ)
رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور
Ph: 0092-42-36307714 , 36369089 - www.rahimia.org
Email: info@rahimia.org

کراچی کیمپس
رحیمیہ ہاؤس، A.16 موریہ خان سوسائٹی، عقب سٹار گیٹ
نزد ائیرپورٹ، شاہراہِ فیصل، کراچی
0092-021-34600000 , 021-34600001

راولپنڈی کیمپس
رحیمیہ ہاؤس، N.A-7، سیونتھ روڈ
سیٹلائٹ ٹاؤن، راولپنڈی
0092-51-4581357-58

ملتان کیمپس
رحیمیہ ہاؤس 30/A، سٹریٹ نمبر 2، خان کالونی
چونگی نمبر 7، ایل ایم کیو روڈ، ملتان
0092-61-6212021

سکھر کیمپس
فلیٹ نمبر 111، 1st فلور، رائل اپارٹمنٹ
ریس کورس روڈ، سکھر
0092-71-5615185

درسِ قرآن

تشریح: مولانا احمد سعید دہلویؒ

برّ اور نیکی کی حقیقت

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۬ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ (92:3)

(جب تک تم ان چیزوں میں سے جن کو تم عزیز رکھتے ہو، کچھ خرچ نہ کرو گے، اس وقت تک تم حقیقی بھلائی کو ہرگز نہ پہنچو گے۔ اور تم جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو، سو اللہ تعالیٰ اُس کو خوب جانتا ہے۔)

حضرت واسطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: پسندیدہ چیزوں میں سے کچھ خرچ کرنا برّ (نیکی) تک پہنچا دیتا ہے۔ اور اگر کوئی شخص ربّ تعالیٰ تک پہنچنا چاہتا ہے تو اس کو کونین سے دست برداری کرنی چاہیے۔ برّ کا استعمال صدق اور حُسنِ خُلق کے لیے بھی آتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ تم لوگ صدق کو لازم پکڑو، صدق انسان کو برّ تک پہنچاتا ہے۔ اور برّ (نیکی) انسان کو جنت میں لے جاتی ہے۔

حضرت نواسؓ بن سمعان سے مرفوعاً روایت ہے۔ کسی نے دریافت کیا: یارسول اللہ ﷺ! برّ کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: حُسنِ خُلق۔ اس نے عرض کیا: اِثم کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: جو تیرے سینے میں کھٹکے اور تو اس کو لوگوں کے علم میں لانا پسند نہ کرے۔

بہرحال برّ کے معنی جو کچھ بھی ہوں، یہاں مراد یہ ہے کہ تم حقیقتِ برّ (نیکی) اور کمالِ خیر کو نہیں پہنچ سکتے، جب تک پسندیدہ اور محبوب چیز سے کچھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کرو۔ اور یہ ترجمہ بھی ہوسکتا ہے کہ تم ایسا ثواب جو تم کو جنت میں لے جائے، نہیں حاصل کرسکتے، جب تک پسندیدہ چیزوں میں سے کچھ خدا کی راہ میں خیرات نہ کرو۔ پھر فرمایا: اس کا خیال رکھو کہ جو بھی خرچ کرو گے اور جیسا بھی خرچ کرو گے اور جس وقت بھی خرچ کرو گے، ان سب حالتوں سے اللہ تعالیٰ باخبر ہے۔ خواہ اچھی چیز خیرات کرو اور دل سے خیرات کرو یا بُری چیز خیرات کرو اور دکھاوے کی خیرات کرو۔

حضرت شاہ (عبدالقادر دہلویؒ) صاحب فرماتے ہیں: ''یعنی جس چیز سے دل بہت لگا ہو، اس کا خرچ کرنا بڑا درجہ ہے۔ اور ثواب ہر چیز میں ہے۔ شاید یہود کے ذکر میں یہ آیت اس لیے فرمائی کہ اُن کو اپنی ریاست بہت عزیز تھی، جس کے تھامنے کو نبی کے تابع نہ ہوتے تھے تو جب وہی نہ چھوڑیں اللہ کی راہ میں درجہ ایمان نہ پاویں۔'' (موضح القرآن)

شاہ صاحبؒ نے خوب بات فرمائی اور ربط کی تقریر بھی خوب فرمائی۔ گویا محبوب ریاست و وجاہت کی محبت اور برّ ایمان ہے۔

فقیر عرض کرتا ہے کہ دونوں لفظوں میں اتنی گنجائش ہے کہ جو معنی چاہے کرلو۔ خلاصہ یہ ہے کہ مقصودِ حقیقی جب حاصل ہوگا، جب عزیز ترین چیز خدا کی راہ میں قربان کردو گے۔ یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ اسلام کی عزت اور اسلامی اقتدار مقصود ہے تو جان اور مال خدا کی راہ میں قربان کردو۔ سبحان اللہ کیا کلام ہے۔ جس کی وسعت کا کوئی ٹھکانہ ہی نہیں۔

درسِ حدیث

تشریح: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن

دنیا کی حیثیت

عن ابی هریرة رضی اللّٰه تعالٰی عنهٗ، قال: قال رسولُ اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلم: "الدنیا سِجن المؤمن و جنّة الکافر."

(ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دنیا صاحبِ ایمان کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنت ہے۔'')

یہ حدیث اس حقیقت کی نشان دہی کر رہی ہے کہ اس دنیا میں صاحبِ ایمان کی زندگی نظم وضبط کے ساتھ بسر ہونی چاہیے۔ جب کہ کافر کی زندگی اس نوعیت کے نظم وضبط سے عاری ہوتی ہے اور وہ شترِ بے مہار کی مانند ہوتا ہے۔ پھر چوں کہ صاحبِ ایمان کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ یہی جہاں سب کچھ نہیں، بلکہ ایک جہاں اور بھی ہے، جہاں کی زندگی دائمی اور تکالیف و مصائب سے مُبرّا ہے۔ اس لیے اس کو یہ دنیا قید خانہ محسوس ہوتی ہے۔ جب کہ کافر کی نظر محدود اور تنگ ہوتی ہے۔ وہ اس جہاں کے علاوہ کسی اور زندگی پر یقین نہیں رکھتا۔ اسی لیے وہ اس دنیا کو اپنے لیے جنت سمجھتا ہے کہ اس کے بعد تو فنا ہی فنا ہے۔ گویا مؤمن کی مثال قید خانے میں محبوس اس شخص کی مانند ہے، جسے یہ یقین ہے کہ اس چار دیواری سے باہر ایک آزاد اور وسیع دنیا بھی ہے۔ ظاہر ہے کہ اسے یہ چار دیواری قید خانہ محسوس ہوگی اور کبھی بھی اس کی اس کے ساتھ دلی وابستگی پیدا نہیں ہوگی۔ جب کہ کافر کی نوعیت اس مقید شخص کی سی ہے، جس کو باہر کی دنیا کا علم ہی نہیں اور وہ اپنی چار دیواری کو ہی کل کائنات سمجھتا ہے۔ اسی لیے اس کے نزدیک وہی جنت ہے۔

بہرکیف مذکورہ حدیث کا یہ منشا نہیں ہے کہ مسلمان دُنیوی حوالے سے اپنی بہتری کی کوشش نہ کریں، بلکہ اس کے برعکس قرآن حکیم کا فرمان تو یہ ہے کہ دنیا کی تمام مادی نعمتیں درحقیقت اہلِ ایمان کے فائدے کے لیے ہی پیدا کی گئی ہیں۔ چناں چہ اس دعا کو مدح کے اسلوب میں ذکر کیا گیا ہے کہ ''اے ہمارے رب! ہمیں اس دنیا میں بھلائی عطا کر اور آخر میں بھی بھلائی عنایت کر۔'' لہٰذا اہلِ ایمان کی ذمہ داری ہے کہ وہ آخرت کی فلاح کے حصول کے حقیقی مقصد کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے دنیا کی بہتری کے لیے بھی سعی و کاوش کریں۔ آخر اس دنیا میں موجود قید خانوں کے باسی بھی تو اپنی حالت بہتر بنانے کی کوشش کرتے ہیں اور دنیا میں ان کی جدوجہد کو نہ صرف بنظرِ تحسین دیکھا جاتا ہے، بلکہ ان کی حمایت میں ہر پلیٹ فارم پر آواز بلند کی جاتی ہے اور آج تک کسی صاحبِ عقل و دانش نے یہ نہیں کہا کہ قید خانے کی حالت جوں کی توں یا عقوبت خانے کی سی ہونی چاہیے یا اسے انسانیت کی تذلیل کا مرکز ہونا چاہیے۔ چوں کہ ہمارے معاشرے میں قید خانوں کی حالت انتہائی غیر تسلی بخش ہے، اس لیے اس پس منظر میں زیرِ بحث حدیث سے یہ تأثر قطعاً نہیں ابھرنا چاہیے کہ مسلمان کو از روئے شرع و دین یہاں شکستہ حال اور آزردہ خاطر رہنا چاہیے۔

www.fahimia.org

اداریہ

اسلام کا نظریۂ آزادی اور استحصالی نظام

اسلام انسانی آزادیوں کا نقیب ہے۔اس کا انسانیت پر سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے انسانوں کو توحید کے فکر کے ذریعے ہر طرح کے توہمات، غلط نظریات، ذہنی مرعوبیت اور غلامی سے نجات دلا کر آزادیٔ فکر سے روشناس کروایا۔اسلام نے انسانی معاشروں کو رنگ و نسل، دھڑے بندیوں اور گروہ بنانے کی فرقہ وارانہ ذہنیت سے اوپر اٹھا کر اپنے زمانے کے سامراج اور استعمار کے خلاف شعور دیا۔اس نے قیصر و کسریٰ کے استحصالی نظاموں کے خلاف آزادی وحُرّیت کا نظریہ دے کر ایک آزاد سیاسی و معاشی نظام کی داغ بیل ڈالی اور یوں اسلام نے آزادی و مساوات اور اقتصادی خوش حالی کا نظریہ دے کر انسانی تاریخ کا رُخ موڑ دیا۔اسلام کا مقصد بلاامتیاز رنگ و نسل تمام قوموں کی آزادی اور خوش حالی تھا۔ جسے ہم ایک ایسا عالم گیر انقلاب کہہ سکتے ہیں، جس میں ہر دور اور ہر خطے کے نظامِ ظلم کے خلاف اعلانِ جنگ ہے۔

امام عبیداللہ سندھیؒ فرماتے ہیں: ’’قیصریت اور کسرویت کی عادات کی مذمت، اُن کے نظام کی تخریب اور ایک صالح اور مفید نظام کا نفاذ‘ قرآن کی تنزیل کا مقصد تھا۔جو گروہ اور قوم قیصریت کو اپنا شعار بنا لے، عوام کی لوٹ کھسوٹ پر ان کی گُزران ہو اور دادِ عیش دینا ان کی زندگی کا مقصد ہو، قرآن اُن کے خلاف دعوتِ جہاد دیتا ہے۔قرآن کا یہ پیغام کسی جماعت یا قوم کے لیے مخصوص نہیں۔قرآن ہر ظلم کا انکار کرتا ہے اور ہر مظلوم کے دل میں یہ ولولہ اور حوصلہ پیدا کرتا ہے کہ وہ ظلم کو مٹانے اور ظالم کو ظلم سے باز رکھنے اور اس کے اصرار پر اس کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لیے اُٹھ کھڑا ہو۔‘‘ (شعور و آگہی) چناں چہ مسلمانوں نے اس نظریے سے لیس ہو کر ایشیا و افریقا کے مظلوم انسانوں کو ظالمانہ نظاموں سے نجات دلائی اور وہ جہاں جہاں بھی پہنچے، انھوں نے وہاں عدل و انصاف پر مبنی مساوات اور خوش حالی کے نظام قائم کیے اور غلامی کی ہر شکل کو مٹانے کا نظریہ دیا۔

اس کے برخلاف جب مغرب میں صنعتی اور سیاسی انقلابات رونما ہو رہے تھے تو اہلِ مغرب نے دوسری آزاد اقوام کے گلے میں غلامیوں کے طوق ڈال کر اپنے نوآبادیاتی دور کا آغاز کیا۔تیسری دنیا کے خوش حال اور مہذب معاشروں کو سیاسی اور معاشی غلام بنا کر اُن کی قومی اور تہذیبی شناخت کو مسخ کر دیا۔انھوں نے ایک ایسے استحصالی نظام کو رواج دیا، جس نے ان معاشروں کو غربت و افلاس اور جہالت کے اندھے غار میں دھکیل دیا۔ برّعظیم ہند کا یہ خطہ جب مغرب کے نوآبادیاتی نظام کا شکار ہوا تو اسلام کے نظریۂ آزادی پر یہاں کے علمائے حق نے جدوجہدِ آزادی کی ایک گراں قدر تاریخ مرتب کی، جس سے ہمارا آج کا نوجوان نابلد ہے اور ایک سازش کے تحت اس تحریکِ آزادی کو ہماری نظروں سے اوجھل رکھا جاتا ہے۔آج ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اسلام کے قیصر و کسریٰ کے استحصالی نظاموں کے خلاف دیے ہوئے نظریۂ آزادی کے شعور و بصیرت سے لیس ہو کر اپنے عہد کے قیصر و کسریٰ کے خلاف برسرِ پیکار ہوں۔ (مدیر)

ہماری آزادی کی حقیقت

محمد عباس شاد

ہمارے ہاں ہر سال یوم آزادی تو آتا ہے، لیکن آزادی نہیں آتی۔گزشتہ 67 سالوں سے آزادی کے جس گھسے پٹے تصور کے ساتھ ہم اپنی نئی نسل کو گمراہ کرتے چلے آرہے ہیں‘ اب وہ کوئی راز نہیں رہا۔آج بچہ بچہ یہ جاننے لگا ہے کہ ہم حقیقی طور پر آزاد نہیں ہیں۔اس آزادی کی حقیقت کو جاننے کے لیے ہمیں اپنی تاریخ پر ایک سرسری نظر ڈالنا ہوگی۔

پاکستان‘ برطانوی پارلیمنٹ کے ایک قانون کے تحت وجود میں آیا تھا۔اس قانون کی رُو سے ہندوستان میں جاری قانون اور آئین سے لندن میں موجود برطانوی حکومت کی بظاہر گرفت اور بالادستی ختم کر کے دہلی میں موجود عبوری حکومت کو پاکستان اور ہندوستان کے درمیان تقسیم کر دیا گیا تھا۔پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء ہی پاکستان کا حقیقی آئین تھا‘ جو انگریزوں کا بنایا ہوا تھا۔اس آئین اور قانون کے تحت ایک مرکزی اسمبلی، گورنر جنرل، صوبائی گورنر، صوبائی اسمبلیاں، لوکل گورنمنٹ کی کونسلیں، میونسپل کمیٹیاں، ہائی کورٹ اور ایک فیڈرل کورٹ تھا۔سول انتظامیہ کی مدد کے لیے فوج تھی، لیکن یہ دونوں ادارے یعنی فوج اور سول انتظامیہ گورنر جنرل کے بجائے براہ راست تاجِ برطانیہ کے ماتحت تھے۔

پاکستان کا گورنر جنرل تاجِ برطانیہ کے نمائندے کی حیثیت سے ملک کا اعلیٰ ترین عہدے دار ہوتا تھا۔پاکستان کے گورنر جنرل 1947ء سے 1952ء تک برطانوی شاہ جارج ششم اور 1952ء سے 1956ء تک ملکہ ایلزبتھ دوم کے آئینی طور پر نمائندے تھے۔اسی لیے ہمارے پہلے گورنر جنرل سے لے کر 1956ء تک (محمد علی جناح، خواجہ ناظم الدین، ملک غلام محمد اور اسکندر مرزا) گورنر جنرل اپنے حلف میں تاجِ برطانیہ سے ہمیشہ وفادار رہنے کا عہد کیا کرتے تھے۔پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی کے چیئرمین جوگندر ناتھ منڈل بنے، جو بعد ازاں اہم دستاویزات کے ساتھ پاکستان سے فرار ہو گئے۔ پہلے وزیر خارجہ ایک قادیانی سر ظفر اللہ کو بنایا گیا۔ ہماری فوج کے پہلے اور دوسرے سربراہ جنرل سر فرینک مسروی اور جنرل سر ڈوگلس ڈیوڈ گریسی تھے۔پنجاب کے گورنر سر فرانسس موڈی، سرحد کے گورنر جارج کنگھم، سندھ کے گورنر‘ انگریز کے خطاب یافتہ تھے۔قیام پاکستان کے بعد ہماری اپنی کوئی کرنسی نہ تھی۔ ہم جارج ششم کی تصویر والے نوٹ‘ جو برٹش انڈین کرنسی کہلاتی تھی‘ میں خرید و فروخت کرتے تھے اور اپنی کرنسی چھاپنے کے لیے ہمارے پاس کوئی پریس نہ تھا۔ بعد ازاں ہم نے بھارتی نوٹوں پر پاکستان کی مہر لگا کر کام چلایا۔1949ء تک یہ بھارتی سکے پاکستانی کرنسی کے ساتھ زیر گردش رہے۔

الغرض! نیا ملک وجود میں آنے کے بعد ہمارا قانون، عدالتیں، تعلیمی نظام، انتظامیہ، سول اور فوجی ڈھانچہ کچھ بھی تو نہیں بدلا۔ پھر حقیقی آزادی کہاں ہے!!

تاج سر پہ رکھا ہے، بیڑیاں ہیں پاؤں میں ۔۔۔ بے وقار آزادی ، ہم غریب ملکوں کی

www.rahimia.org

خطبات و بیانات

افادات: حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ
جانشین حضرت رائے پوری رابعؒ و مسند نشین خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور

دین کی جامعیت؛ مفہوم اور تقاضے

حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ نے 6/دسمبر 2013ء کو جامع مسجد شہر فرید چشتیاں میں نماز جمعہ کے شرکا سے خطاب کرتے ہوئے خطبہ مسنونہ کے بعد فرمایا:

اللہ ربّ العزت نے انسانیت کی کامیابی کا واحد راستہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں رکھا ہے۔ آپ ﷺ کی اس دنیا میں آمد اور کتاب مقدس قرآن حکیم کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ انسانیت دنیا و آخرت میں کامیاب ہو۔

انسان جسم و روح کے مجموعے کا نام ہے۔ محض جسم کے تقاضے پورے کرنا اور روح کی ضروریات کو نظرانداز کر دینا' یہ حیوانیت اور درندگی ہے۔ اگر یہ خیال کیا جائے کہ بہیمیت کا انسانیت سے کوئی تعلق نہیں۔ اور اس کرۂ ارض پر رہتے ہوئے انسان محض روح کے تقاضے پورے کرے اور اپنے جسم کی ضروریات اور اس کے تقاضوں کی تکمیل کو نظرانداز کر دے' تو یہ بھی انسانیت دشمن رویہ ہے۔ انسان اس دنیا میں نہ تو فرشتہ ہے اور نہ جانور، بلکہ وہ انسان ہے۔ اسلام ایک ایسا دین ہے، جو انسان کے ان دونوں تقاضوں کی تکمیل کرتا ہے۔ وہ روح کی تکمیل بھی کرتا ہے اور جسم کے تقاضوں کی تکمیل بھی کرتا ہے۔

نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ میرے بعد بہت سے کذاب و دجال پیدا ہوں گے۔ کذب اور جھوٹ تو یہ ہے کہ حقیقت کو تسلیم نہ کیا جائے۔ جیسے واقعہ وقوع پذیر ہوا ہو، اس کے بالکل برخلاف بیان کیا جائے۔ یہ جھوٹ ہے۔ اور دجل و فریب یہ ہے کہ واقعے یا حقائق کو ایسے انداز میں پیش کیا جائے کہ جس میں مکر و فریب شامل ہو۔ عنوان بہت اچھا ہو، لیکن کام شیطانی ہو۔ یہ دجل، فریب اور دھوکا ہے۔ جھوٹ کا مقابلہ سچائی سے کیا جاتا ہے اور دجل و فریب کا مقابلہ عقل و شعور اور فہم و بصیرت سے ہوتا ہے۔ عقل و شعور انسان کو دجل و فریب، دھوکے اور فراڈ سے بچاتا ہے۔ جب دجل و فریب اور دھوکا دیا جائے تو اس کا مقابلہ کرنے کے لیے عقل اور فہم و شعور کی ضرورت ہے۔

آج انسانیت کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ انسانیت دو واضح گروہوں میں بٹ گئی ہے۔ ایک طرف وہ انسان ہیں، جو انسان کے مادی اور جسمانی تقاضوں کی تکمیل کی طرف متوجہ ہیں۔ پوری دنیائے انسانیت کی اکثریت مادیت پسند بن گئی۔

ایک طرف درندگی کی یہ حالتیں ہیں اور دوسری طرف دجل و فریب کا ایک اور عالم ہے۔ ہمارا ایسا مذہبی طبقہ، جو روحانی ترقی کے نام پر اسلام کا نام استعمال کر کے جسم کے تقاضوں کی تکمیل کا انکار کرتا ہے، وہ کہتا ہے کہ انسان نام ہے روح کا اور روح کے تقاضے پورا کرنا ہی انسانیت ہے۔ جسم کے تقاضے، خواہ ان کا تعلق سیاست کے شعبے سے ہو، معیشت کے شعبے سے ہو، انسان کی جسمانی ضروریات ہوں، روحانیت کے نام پر برپا مذہبی تحریکیں اس کو انسانیت سے متصادم قرار دے کر اس سے علاحدگی اختیار کیے ہوئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ دین کا کیا تعلق ہے سیاست، معیشت، معاملات، سماجیات، تہذیب اور ثقافت سے۔ یہ تو ساری مادیت پرستی اور دنیاداری ہے۔

قرآن حکیم اور آپ ﷺ کی تعلیمات نے ان دو انتہا پسندانہ طبقوں کی نفی کی۔ اسلام بیک وقت انسانی جسم اور روح دونوں کی ترقی کی بات کرتا ہے۔ وہ اس بات کا حکم بھی دیتا ہے کہ انسان اپنی روح کی غذا کی تکمیل کے لیے پانچ وقت اللہ کا فریضہ سرانجام دیتے ہوئے نماز جیسی اعلیٰ عبادت اپنے دل کی گہرائیوں سے سرانجام دے۔ اس کی روح ذات باری تعالیٰ کے سامنے حاضر ہو۔ جب دنیا میں سب سے بڑی طاقت کے سامنے اپنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا، تو اب اس کا تصور، اس کا خیال، اس کے تمام تقاضے سلام پھیرنے تک اللہ کے حضور میں کھڑے ہو گئے۔ جب کسی بادشاہ کے دربار میں آدمی کھڑا ہو تو بھلا کوئی آدمی بادشاہ کے اس دربار کے آداب اور تقاضوں کو نظرانداز کر کے اپنے بیوی بچوں کے خیالات میں کیسے مگن رہ سکتا ہے۔

یاد رکھئے! جیسے نماز روزہ اور عبادت سے روحانی ترقی ہوتی ہے، ایسے ہی عدل و انصاف کی سیاست، معاشی انصاف کا نظام قائم کرنے سے بھی ایسی ہی روحانی ترقی ہوتی ہے۔ انسان کی روح اور جسم دونوں کی تکمیل دراصل دین کے عدل و انصاف کے اجتماعی نظام سے ہے۔ آج اسلام کا یہ اجتماعی نظام ہمارے دل و دماغ سے محو ہو گیا۔ ہم یا مادیت پرستی کو قبول کیے ہوئے ہیں یا روحانیت کے نام پر ایسے مذہب کے دیوانے ہیں کہ جو سیاست اور معیشت کو دین سے نکال دیتا ہے۔ مسجدوں کے وضوخانوں میں لکھ دیا جاتا ہے کہ 'یہاں سیاسی گفتگو کرنا منع ہے'۔ حال آں کہ سیاست دین کا وہ تقاضا تھا، جس سے مظلوموں کو انصاف ملتا۔

آج دجل و فریب، دھوکے اور فراڈ کے تمام پردے چاک کر کے عقل و شعور اور حریت کی بنیاد پر اپنی سوسائٹی کی تعمیرِ نو کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ پرانے فرسودہ خیالات، غلط تصورات کو تبدیل کرتے ہوئے اپنی روح اور خیالات میں تبدیلی پیدا کی جائے اور دین کے غلبے کے نقطۂ نگاہ سے جدوجہد اور کوشش کا عزم کیا جائے۔ سب سے پہلے اپنی ذات میں انقلاب، پھر سوسائٹی میں انقلاب، معاشرے میں تبدیلی کا عمل، یہ ایک مسلمان جماعت کی ضرورت اور اس کی خصوصیت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین کا جامع فہم اور بصیرت نصیب فرمائے۔ دین کی تعلیمات کے مطابق اپنی دنیا کو بھی کامیاب بنائیں اور اپنی آخرت کو بھی کامیاب بنانے کا شعور، جدوجہد اور کوشش کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

www.rahimia.org

فیصلے اپنے نتائج پر اثر انداز ہوتے ہیں

حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ نے 13/دسمبر 2013ء کو ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ کے مین کیمپس لاہور میں جمعہ کے شرکا سے خطاب کرتے ہوئے قرآن حکیم کی آیت یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ (66:6) کے تناظر میں فرمایا:

معزز دوستو! جمعۃ المبارک نصیحت کا دن ہے اور نصیحت کا مطلب اپنی کمزوریوں، کوتاہیوں کو سمجھنا اور انھیں دور کرنے کے لیے صحیح حکمتِ عملی اور طریقۂ کار اپنانا ہے۔ نصح کا معنی عربی میں یہ ہوتا ہے کہ اپنے پھٹے ہوئے کپڑے کو سینا۔ اپنے نقائص اور کمزوریوں کو دور کرنا۔ وہ اقوام جو اپنی کمزوریوں اور کوتاہیوں کا اعتراف کرتی ہیں، غلطیوں کی نشان دہی کرتی ہیں اور انھیں دور کرنے کے لیے صحیح طریقۂ کار اور حکمتِ عملی اپناتی ہیں، وہی قومیں کامیاب ہوتی ہیں۔ غلطیاں کرنا جرم نہیں ہوتا، غلطیاں انسانوں سے ہی ہوتی ہیں، لیکن غلطیوں پر اصرار کرنا یا انھیں درست بنانے کی روش اختیار کرنا، خطرناک ہوتا ہے۔ کیوں کہ اس طرح انسان اپنی کمزوریوں کا تنقیدی جائزہ لینے سے قاصر ہو جاتا ہے۔ اپنے مسائل حل کرنے کے لیے درست لائحۂ عمل نہیں اپناتا۔ حقائق کے منافی جھوٹ اور مسخ شدہ حقائق کو قبول کرنے لگ جاتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دنیا کی ذلت اور رُسوائی بھی ہوتی ہے اور آخرت کا عذاب بھی۔ دنیا کی جہنم سے بچنے کا بھی ایک ہی راستہ ہے اور آخرت کی جہنم سے بچنے کا بھی وہی ایک راستہ ہے۔ وہ یہ کہ اپنے اعمال کا تنقیدی جائزہ لیں۔

فرد کی غلطی کا فیصلہ یا خمیازہ خود فرد کو بھگتنا ہوتا ہے۔ کسی قوم یا نسل کی غلطی کا خمیازہ ایک قوم بھگتتی ہے۔ اور اگر مجموعی طور پر اجتماعی دائرے کی تمام طاقت ور قوتیں غلطیاں کریں تو پوری اجتماعیت اس کی سزا بھگتتی ہے۔ جس سطح کی غلطی ہوتی ہے، اسی سطح کی سزا یا جزا کا عمل ہوتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی ہے کہ لا یأتی الخیر إلا بالخیر۔ بھلائی اور نیکی، اچھے فیصلے اور اچھے کام ہمیشہ اچھا ہی نتیجہ پیدا کرتے ہیں۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ فیصلے اچھے ہوں، اعمال اچھے ہوں اور نتیجہ اچھا نہ ہو۔ یہ ممکن ہی نہیں۔ اور ایک سوال کے جواب میں حضورؐ نے یہ بات تین دفعہ ارشاد فرمائی کہ لا یأتی الخیر إلا بالخیر. لا یأتی الخیر إلا بالخیر. لا یأتی الخیر إلا بالخیر. کہ بھلائی اور خیر کا کام انسانیت کے لیے بھلائی ہی لاتا ہے، شر نہیں پیدا کرتا، خرابی نہیں پیدا کرتا۔ کام اچھا ہو اور نتیجہ برا نکلے، ایسا نہیں ہوتا۔ صحابی نے یہی سوال کیا تھا أَوَ یأتی الخیر بالشر؟ کیا خیر اور بھلائی کا کام کرتے کرتے اس کا نتیجہ شر نکلتا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا: ایسا نہیں۔

انسانی زندگی کے دو ہی بڑے بنیادی دائرے ہیں: ایک اس کے افکار و نظریات ہیں، جن کا تعلق اس کی عقلی قوت سے ہے۔ عقل و شعور سے انسان افکار و نظریات کا تانا بانا بُنتا ہے۔ اپنے فلسفے اور فکر کا تعین کرتا ہے۔ اور دوسرے اس کی قوتِ عملیہ ہے، جس سے اس کے اعضا اور جوارح عملی کردار ادا کرتے ہیں۔ یہ قوتِ عملیہ انسانی معاشرے کے نظاموں کو تشکیل دینے کا بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ انسانوں کے درمیان کام کرنے کے انداز و اسلوب کا تعین کرتی ہے۔ اگر قوتِ عملیہ مفلوج ہو جائے، صحیح طور پر عمل نہ کر سکے، اسی طرح عقل ماری جائے اور وہ کسی درست فکر اور نظریے پر مرتکز نہ ہو، تو پوری سوسائٹی میں شر اور زوال آ جاتا ہے۔ گویا کہ قوم کی تباہی غلط نظریات و افکار اور غلط نظاموں سے ہوتی ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے نظریات کا جائزہ لینا ضروری ہے کہ ہم نے آج تک اس زوال کے زمانے میں جتنے خود ساختہ نظریے گھڑے ہیں یا اسلام کے نام پر عوام کے سامنے پیش کیے ہیں یا مذہبی فرقوں اور گروہوں نے اسلام کی تعبیرات پیش کی ہیں، اسلام کے نام پر بنائی جانے والی جماعتوں اور گروہوں نے اسلام کے تعارف کے لیے جتنے فکری تانے بانے بُنے ہیں، ان کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ اگر یہ صحیح ہوتے تو نتیجہ بھی صحیح ہوتا۔ اگر یہ غلط ہیں تو آج نتیجہ بھی غلط۔ نتیجہ تو ہمارے سامنے ہے کہ غلط ہے۔ تو یقیناً جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ فکر میں کہاں خامی ہے۔ نظریے میں کہاں خرابی ہے۔ سوچ میں کہاں ژولیدگی ہے۔ فکر کہاں غیر منضبط اور غیر مربوط ہے۔ نظریہ کہاں محدود ہو گیا۔ اس میں سطحیت کس جگہ پیدا ہو گئی۔

لا یأتی الشر إلا بالشر. شر سے شر ہی پیدا ہوگا۔ خیر سے خیر پیدا ہوتی ہے۔ شر سے شر پیدا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ تو خرابی کی جڑ، تباہی اور بربادی کا سبب، فکر و نظریے کی خرابی ہے، سسٹم اور نظام کی خرابی ہے۔ اور یاد رکھیے، یہ خرابی جب انتہا کو پہنچ جائے تو اس کے نتیجے میں پوری قوم ایسے عذابِ الٰہی کے عذاب میں مبتلا ہوتی ہے کہ نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہوتا۔ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن۔ نہ ٹھہرنے کا مقام ہے اور نہ جانے کا مقام۔ یعنی جیسا کرو گے، ویسا بھرو گے۔

آج ہمیں حضورؐ کی اس بات کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ غفلتوں کے یہ غلاف جو ہمارے دل و دماغ پر چھائے ہوئے ہیں، ہمارے گرد و پیش کے اعمال میں ہم پر مسلط ہیں، ان سے برأت کا اعلان کرنے کی ضرورت ہے۔ اور دنیا میں انسانی بنیادوں پر انسانی مسائل کے حل کرنے کی عقل، شعور، فہم، بصیرت، کردار اور جدوجہد اور کوشش کرنے کی اہمیت اللہ پاک ہمیں توفیق عطا فرمائے۔ تبھی دنیا کی کامیابی ہے اور آخرت کی کامیابی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

www.rahimia.org

مولانا مفتی عبدالقدیر

حکایت حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں شہیدؒ

انسانی زندگی تہذیب وتمدن کی کئی منزلوں سے گزر کر یہاں تک پہنچی ہے کہ انسان اپنی ضروریات کو طریقے اور سلیقے سے پورا کرتا ہے۔ بلکہ اُس نے اپنے اخلاق کی تکمیل، نفس کی اصلاح اور طرز بود و باش کو نکھارنے کے لیے تعلیم وتربیت کا ایک اعلیٰ نظام بھی پیدا کیا ہے۔ گھریلو اور خاندانی زندگی میں انسان اپنی نئی نسل کو رہن سہن، میل ملاقات اور امورِ خانہ داری اور اندازِ جہاں بانی سکھاتا ہے۔ انسان کو مہذب اور سلیقہ مند بنانے میں اولیاء اللہ اور صوفیائے کرام کا بہت اہم کردار رہا ہے۔

برعظیم پاک و ہند کی ایک عظیم شخصیت حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں شہید رحمۃ اللہ علیہ (جو امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے معاصر اور ان کی تجدیدی فکر کے بہت بڑے مؤید تھے۔) وہ انتہائی نفیس مزاج کے حامل اور نظم و ضبط کے خوگر تھے۔ ان کو بے قاعدہ رکھی ہوئی چیزوں سے انتہائی کوفت ہوتی تھی اور ان کو دیکھ کر اُن کے سر میں درد ہونے لگتا تھا۔

ایک دن مغل بادشاہ بہادر شاہ بہت الحاح والتجا کے بعد حاضری کی اجازت ملنے پر آپؒ کی زیارت کے لیے حاضر ہوئے۔ موسم شدید گرمی کا تھا۔ خدمت میں تشریف لانے والے بادشاہ بہادر شاہ کو پیاس لگی اور انھوں نے پانی طلب کیا۔

حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں شہیدؒ نے فرمایا:

''وہ گھڑا رکھا ہوا ہے۔ پیالے میں پانی لے کر پی لو!''

بادشاہ نے پانی پیا اور پیالہ گھڑے پر رکھ دیا۔ حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں شہیدؒ کی نظر جو گھڑے پر پڑی تو پیالہ ذرا ترچھا رکھا ہوا تھا۔ دیر تک ترچھی نگاہ سے دیکھتے رہے۔ آخر ضبط نہ ہو سکا۔ تو بہادر شاہ سے فرمایا:

''جناب! بادشاہت کیا کرتے ہوں گے! ابھی تک خدمت گاری تو آئی ہی نہیں۔ ذرا دیکھو تو! گھڑے پر پیالہ رکھنے کا یہی طریقہ اور طور ہوتا ہے؟''

اس کے بعد حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں شہیدؒ نے تُرشی کے ساتھ فرمایا:

''آئندہ ہمیں ایسی تکلیف نہ دیجیو!''

ان علمائے ربانیین کی عجیب شان تھی کہ (1) وہ دنیاوی اُمور میں بھی انتہائی اعلیٰ درجے کا سلیقہ رکھتے تھے۔ اور انتہائی مہذب تھے کہ ایک معمولی سی چیز بھی اگر قاعدے اور اصول کے خلاف کی جائے تو اُن کے عدل پسند، اعتدال صفت مزاج پر گراں گزرتی تھی۔ (2) اپنی مجلس میں آنے والے عام و خاص، حتیٰ کہ حکمرانوں اور بادشاہوں کے رویوں کو بھی بدلنے کے لیے فکرمند رہتے تھے۔ (3) اصلاح و تربیت کے لیے کسی کا دنیاوی منصب اور عہدہ رُکاوٹ نہ بنتا تھا۔

اس دور کے حکمران اور بادشاہ بھی اپنی اصلاح میں کوئی عار محسوس نہ کرتے تھے۔ اور وقت نکال کر علما اور صوفیا کی خدمت میں دیوانہ وار حاضری دیا کرتے تھے۔

پروفیسر ڈاکٹر قاری محمد سعید اختر

اِستقامت

استقامت وہ انسانی صفت ہے، جس کے تحت انسان اپنے فکر و عمل میں تسلسل اور باقاعدگی پیدا کرتا ہے۔ یہ وصف اس کو دُنیوی اور اُخروی مقاصد میں کامیابی عطا کرتا ہے۔

قل آمنت باللّٰہ ثم استقم. (الحدیث) انسان سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ اللہ پر ایمان لائے اور پھر اس پر استقامت اختیار کرے۔ لاکھ مشکلات کے باوجود اپنے ایمان میں تسلسل انسان کا قیمتی جوہر اور متاعِ عزیز ہے اور یہی دنیا و آخرت میں انسان کی کامیابی کی کلید ہے۔

اس کے بعد ایمان باللہ کی مرکزیت کے ساتھ جو بھی نظریہ اور عمل اختیار کیا جائے گا، اس میں استقامت لازمی ہے۔ یہ نظریہ و عمل میں استقامت ہی ہوگی، جس سے مشکلات دور ہوتی جائیں گی اور آپ کامیابی کی طرف قدم بہ قدم بڑھتے چلے جائیں گے۔ اس سلسلے میں یہ بات پیشِ نظر رہے کہ انفرادی و اجتماعی زندگی کی جدوجہد میں نظریہ اور بنیادی اصول تبدیل نہیں ہوں گے، لیکن حکمتِ عملی وقت کے تقاضوں کے مطابق تبدیل ہوتی رہے گی۔ لیکن ہر دو صورتوں میں تسلسل اور دوام ناگزیر ہے۔ تسلسل ٹوٹ جانے سے بے شمار نقصانات کا احتمال ہوتا ہے۔

سب سے پہلے فکر اور نظریہ ہی ختم ہو گیا تو عمل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ساری عمارت دھڑام سے گر جاتی ہے۔ ذہنی عمل میں تسلسل ٹوٹ جانے سے جو خلا پیدا ہوتے ہیں، ان میں شیطانی قوتیں مداخلت کرتی ہیں۔ خیالات میں ٹھہراؤ آجاتا ہے۔ غلط خیالات اور وسوسے جنم لیتے ہیں۔ سوچ میں پختگی نہیں آتی اور نظریے کی صحت پر سے یقین اٹھنے لگتا ہے۔ اور یقین کا خاتمہ سب کچھ ختم کر دیتا ہے۔

عمل صالح میں عدم تسلسل اور عدم استقامت کی صورت میں وسائل اور توانائیاں ضائع ہوتی ہیں۔ اسباب ختم ہو جاتے ہیں۔ حمایت و تعاون واپس ہو جاتا ہے۔ تاخیر محرومی کے برابر ہو جاتی ہے اور عمل کی افادیت سے یقین اٹھ جاتا ہے۔ خارجی قوتیں مداخلت کر کے اس کو کمزور یا ختم کرنے کی کوشش کرتی ہیں اور عمل سبوتاژ ہو جاتا ہے۔

اگر آپ غور کریں تو دو نقاط کے درمیان مختصر ترین فاصلہ صراطِ مستقیم ہوتا ہے۔ آپ کے عمل کا تسلسل آپ اور کامیابی کے درمیان راستے کو مستقیم یا مختصر ترین بنا دیتا ہے اور اس میں خلا اس خط کو مستقیم کی بجائے منحنی اور طویل تر بنا دیتے ہیں۔ اس لیے کامیابی کا منطقی تقاضا استقامت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات بھی اس بات پر زور دیتی ہیں کہ عمل خواہ تھوڑا ہو، مگر اس میں استقامت لازمی ہے۔ یہی کامیابی کی ضمانت ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں صحیح سوچ اور عمل صالح پر استقامت نصیب فرمائے۔

www.rahimia.org

بچوں کا کالم — چوہدری افضل حق

باہمّت اور محنتی بچے

(چوہدری افضل حق آزادی کے عظیم رہنما تھے۔ اپنی قوم کی تعلیم و تربیت اور اَخلاقی معیار کی بلندی ہمیشہ ان کے پیشِ نظر رہی۔ ذیل میں ان کے اُن خطوط کی تلخیص شائع کی جارہی ہے، جو اُنھوں نے 1939ء میں راولپنڈی جیل سے اپنے بچوں کے نام لکھے۔ دراصل ان کے مخاطب قوم کے ہر دور کے نونہال ہیں۔ مدیر)

عزیز از جان۔ السلام علیکم

تم سب بچوں کا خط عید کے روز آیا۔ جیل میں عید عاشورہ کی طرح ہوتی ہے۔ دُنیا کالی کالی نظر آتی ہے۔ تمھارے خط ملتے ہی سچ مچ کی عید ہوگئی۔ یوں معلوم ہوا کہ بادل چھٹ گئے اور سورج ہنستا نکل آیا، جس سے دل کی دُنیا روشن ہوگئی۔ تم تعلیم میں پہلے کیسے اچھے تھے۔ تم سے سب خوش تھے۔ اب تم بے موقع کھیلتے ہو اور وقت پر محنت نہیں کرتے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ مضمون میں پھسڈّی ہو۔ تم نے جو خط لکھا ہے اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ بے پرواہ بچے کی تحریر ہے۔ جو لکھتا پڑھتا بھی پتنگوں اور کبوتروں کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھتا رہتا ہے۔ بہرحال اب تم نے باقاعدہ کام اور پوری محنت کرنے کا عہد کیا ہے۔ باہمّت اور محنتی بچے ہوگے، تو دنیا میں آرام سے رہوگے۔ ورنہ گھر بھر کے لیے ذلت اور خواری اور ملک وقوم کے لیے مصیبت ہوگے۔ بی بی بلقیس! شاباش! سب مضامین میں اوّل مگر انگریزی میں فیل کیوں؟ اس لیے کہ انسان کی طبیعت آسانی پسند ہے، جو مضمون مشکل نظر آیا اسے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یہ بھی بڑی بُری بات ہے۔ جس مضمون میں بڑی کمزوری ہو توجہ کر کے اُس کو پڑھنا چاہیے، تاکہ کمی پوری ہو۔ تمھارے پاس ڈکشنری موجود ہے۔ جس لفظ کے معنی نہ آئیں اُس میں سے دیکھ لیے۔

ضیاء الحق! بھئی تم بہت اچھے لڑکے ہو، اسی طرح ہر جماعت میں اوّل رہنے کی کوشش کرو۔ بھئی بچو! تمھیں میں ہمت کی مثال بتاؤں۔ یہاں حافظ عبدالمجید صاحب ہمارے ساتھ قید ہیں۔ بینائی بالکل نہیں مگر قرآن ہی کے حافظ نہیں بلکہ عربی جیسی مشکل زبان کے تمام امتحانات پاس کیے ہیں، پھر دہلی کے طبیہ کالج سے حکمت کی اعلیٰ سند حاصل کی۔ اب بڑی محنت سے انگریزی پڑھ رہے ہیں۔ اُمید ہے دو تین سال میں بی اے کرلیں گے۔ وہ اتنی محنت اس لیے کرتے ہیں کہ ساتھ ساتھ ورزش بھی کرتے ہیں، ورنہ تعلیم سے طبیعت تھک جائے۔ اس لیے تعلیم کے ساتھ ساتھ ورزش کو ضروری سمجھو۔ کمزور جسم میں اچھی عقل نہیں سماسکتی۔ جان سے عزیز بچو! عمدہ صحت ساری بھلائیوں کی جڑ ہے۔ میں تعلیم سے بھی زیادہ صحت کو ضروری سمجھتا ہوں۔ جس بچے کی صحت اچھی ہو وہ خوب صورت پھول نظر آتا ہے۔ معمولی کپڑے بھی پہنے تو بھی دل کو بھاتا ہے اور آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاتا ہے۔ جس بچے کی صحت اچھی نہ ہو وہ عمدہ لباس میں بھی سوکھا کانٹا دکھائی دیتا ہے۔

پیارے بچو! ورزش سے غافل ہو کر آنکھوں کے لیے کانٹا نہ بنو۔ صحت کے لحاظ سے پھول نظر آؤ۔ تعلیم سے آراستہ ہو کر دنیا میں نکلو اور خدا کی مخلوق کی زیادہ زیادہ خدمت کرو۔

خواتین کا کالم — مولانا عبداللہ عابد سندھی

اسلام میں عورت کی حیثیت و کردار

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ انسانی زندگی کا آغازِ سفر، مرد اور عورت کے باہمی تعاون سے ہوا ہے۔ اس کے نتیجے میں نہ صرف نسلِ انسانی کو فروغ حاصل ہوا، بلکہ علم و فن، افکار و خیالات، تحاریک و نظریات، صنعت و حرفت اور تہذیب و تمدن کا ارتقا بھی عمل میں آیا۔ قرآن مجید میں سورۃ الاحزاب میں جو اخلاقی اوصاف و خصائل مردوں کے بتائے گئے ہیں، وہی عورتوں کے بھی شمار کیے گئے ہیں۔ لہٰذا مرد اور عورت کے درمیاں کسی نامناسب امتیازی حیثیت کو قرآن مجید نے ردّ کیا ہے۔

اسی طرح قرآن مجید نے ایسی جلیل القدر عورتوں کا بھی ذکر فرمایا، جن کا شمار مقربانِ خدا میں ہوتا ہے اور جن کے بلند مراتب ہیں۔ یہ عورتیں بھی خدا پرستی اور انسان دوستی کی سوچ رکھتے ہوئے باطل کے خلاف نبرد آزما ہونے میں ایک نمونے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ فرعون کی زوجہ محترمہ بی بی آسیہ اور قرآن مجید کی ایک سورۃ جو حضرت مریمؑ کے واقعے کے بارے میں ان کی زندگی کا انقلابی کردار بیان کرتی ہے۔ اور اسی طرح کی دوسری مثالیں جو قرآن کریم بیان کرتا ہے، ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کے نقطۂ نظر سے عورتوں کے انسان ہونے میں مرد کی بہ نسبت کوئی کمی نہیں ہے اور وہ بھی مردوں کی طرح بلند کمال کے درجوں پر فائز ہوسکتی ہیں۔

اسلام کے دورِ اول میں امہات المؤمنین، بالخصوص حضرت خدیجۃ الکبریٰ، حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت ام سلمہ، حضرت حفصہ اور دختران رسول کریم حضرت بی بی زینب و حضرت فاطمۃ الزہرا رضوان اللہ علیہن اجمعین کے علاوہ صحابیات میں خصوصاً شہیدِ اول حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اسما بنتِ ابوبکرؓ نے تبدیلیٔ نظام کے لیے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر مقام پر مکمل ساتھ دے کر باطل کے خلاف جدوجہد میں شریک ہو کر بیش بہا قربانیاں دیں۔ وہ تاریخ میں بلند مقام رکھتی ہیں اور ان کی شخصیات اعلیٰ ترین نظریات و کمالات کی علامت ہیں۔ ایسے کمالات، جو ایک عورت کو نمونہ کامل بنا دیتے ہیں۔ دراصل انسانیت کی آزادی، ظلم کے خاتمہ، مظلوم کے حقوق کا تحفظ، باطل سے نبرد آزمائی کے ساتھ ساتھ خدا پرستی، تقویٰ اور پاک دامنی میں جو عورتوں پر ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اور اپنی تمام تر امور میں، خواہ وہ انفرادی ہوں یا اجتماعی، احساس محرومی اور کمتری سے نکل کر ایک صالح معاشرے کے قیام کے لیے مردوں کی طرح کامیاب حکمتِ عملی کے ساتھ جدوجہد کریں اور انھیں کامیاب عورتوں کو نمونہ بنا کر ان کی پیروی کریں۔ کیوں کہ یہی صرف واحد راستہ ہے، جس پر چل کر وہ اپنی عزت اور حیثیت کی بخوبی حفاظت کرسکتی ہیں اور ان مصائب سے جو قبل از اسلام استبدادی قوتوں نے عورتوں پر ڈھائے تھے، جس کا تسلسل آج بھی ایک صالح معاشرے کے لیے چیلنج بنا ہوا ہے اور جو یورپی و مغربی چالوں سے آج بھی عورتوں کو مصیبت میں گرفتار کرنے کے لیے بنائے جارہے ہیں، ان سے محفوظ رہ سکتی ہیں۔

رپورٹ: مولانا عبدالرحیم طاہر

تقریبِ سعید سنگِ بنیاد

جامع مسجد نواز خاں، چک نمبر R-73/4-ہارون آباد

مؤرخہ 10/ جنوری 2014ء کو حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ جامع مسجد نواز خاں کا سنگِ بنیاد رکھا۔ چک نمبر R-73/4- کے راؤ صاحبان اور دیگر معززین نے حضرت اقدس مدظلہٗ کا استقبال کیا۔

مولانا محمد عارف اکمل نے چک نمبر 73/4.R کی تاریخی حیثیت بیان فرمائی کہ آبادکاری سکیم کے تحت محترم راؤ عبدالرؤف خاں رحمۃ اللہ علیہ کے والدِ گرامی اور موجودہ حضرت رائے پوری دامت برکاتہم کے دادا جان جناب راؤ محمد نواز خاں مرحوم نے رقبہ الاٹ کروا کر اس جگہ کو آباد کیا، جو اس وقت شہر ہارون آباد کی مضافاتی جگہ تھی۔ (اب شہر کا ایک محلّہ ہے) راؤ محمد نواز خاں مرحوم کی دلی تمنا اور دعا ہوتی تھی، جس کا ذکر وہ بار بار اپنے منجھلے بیٹے راؤ عبدالرؤف خاںؒ سے کرتے رہتے تھے کہ میری اولاد کی اولاد میں سے کوئی جید عالم تیار ہو، جو دینی خدمات سرانجام دینے والا بن جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی کہ حضرت آزاد صاحب رائے پوری کی شکل میں خانقاہ رائے پور کے مسند نشینی کے لیے اللہ تعالیٰ نے منتخب فرمایا۔

راؤ محمد نواز خاںؒ کی علم دوستی اور اکابرین رائے پور سے تعلق کی وجہ سے محترم راؤ عبدالرؤف خاں حضرت اقدس قطب الارشاد شاہ عبدالعزیز رائے پوری قدس سرہٗ العزیز کے مشورے سے مئی 1964ء میں یہاں پر تعلیم قرآن کا مدرسہ قائم فرمایا۔ کثیر تعداد میں طلبا نے قرآن پاک حفظ و ناظرہ کی تعلیم حاصل کی۔ چناں چہ موجودہ حضرت اقدس حضرت رائے پوری مدظلہٗ العالی نے بھی ابتدائی تعلیم اور قرآن پاک یہیں حفظ کیا۔ بعد ازاں 1970ء میں حضرت رائے پوری ثالثؒ کے دستِ مبارک سے شہر میں مدرسہ تعلیم القرآن کی بنیاد رکھی گئی اور یوں وہاں پر ناظرہ و حفظِ قرآن کے ساتھ ساتھ تجوید و قرأت اور درجہ کتب، درسِ نظامی، اردو، دینیات، نوشت وخواند کی تعلیم کا انتظام کیا۔

جگہ کی تنگی کی وجہ سے 1977ء میں مدرسہ کو موجودہ جامعہ تعلیم القرآن ریلوے مسجد منتقل کیا گیا۔ چک نمبر 73 میں مدرسہ تعلیم القرآن کا سلسلہ جاری رہا۔ اب کچھ عرصے سے تعلیمی کام رُکا ہوا تھا۔ چناں چہ حضرت اقدس اور راؤ عبدالرؤف خاں مرحوم کے قریبی اعزہ نے مسجد و مدرسہ کے لیے جگہ وقف کر کے انتظام و انصرام راقم الحروف اور جامعہ تعلیم القرآن ریلوے مسجد ہارون آباد کے سپرد کرتے ہوئے مالی تعاون بھی فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

مسجد کے افتتاح کے موقع پر سب سے پہلے حضرت اقدس شیخ التفسیر والحدیث مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ نے ابتدائی تین اینٹیں اپنے دستِ مبارک سے نصب فرمائیں۔ اس کے بعد حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری کے مجاز حضرت مولانا مفتی عبدالقدیر مدظلہٗ، محترم حاجی محمد یعقوب علی مدظلہٗ اور حضرت مولانا صاحبزادہ عبدالقادر دین پوری مدظلہٗ نے باری باری اینٹیں نصب فرمائیں۔ اس کے بعد دیگر حضرات، جن میں جامعہ کے اساتذہ کرام، چشتیاں و دیگر علاقوں سے تشریف لانے والے علمائے کرام اور معززین علاقہ نے اینٹیں نصب کرنے کی سعادت حاصل کی۔ آخر میں حضرت اقدس رائے پوری دامت برکاتہم نے دعا کروائی۔ اس موقع پر مٹھائی سے شرکا کی تواضع کی گئی۔

جامع مسجد رحیمیہ ماڈل ایونیو ہاؤسنگ سکیم ہارون آباد کا سنگِ بنیاد

مؤرخہ 8/ اپریل 2014ء بروز بدھ حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ نے جامع مسجد رحیمیہ کا سنگِ بنیاد رکھا۔ تقریب کا آغاز تلاوت قرآن حکیم سے ہوا، جس کی سعادت مولانا عبدالنصیر نے حاصل کی اور مولانا عبدالعلیم ضیا نے حاضرین تقریب کو خانقاہ عالیہ رحیمیہ کا تعارف، بالخصوص ریاست بہاولپور میں حضرت عالی شاہ عبدالرحیم رائے پوری قدس سرہٗ کے ارشاد پر مدارس اور مکاتب کے قیام پر روشنی ڈالی۔ علاوہ ازیں ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ اور حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری نوراللہ مرقدہٗ کا تعارف کروایا۔ بعد ازاں حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے حاضرین تقریب سے خطاب فرمایا۔

آپؒ نے فرمایا کہ: مساجد وحدت انسانیت، امن، عدل و انصاف، نظریہ اور شعور دینے کی جگہ ہیں۔ اور پھر قرآن حکیم نے جو مسجدِ ضرار کا تعارف کرایا ہے، اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ: جو جگہ بظاہر مسجد کے نام سے موسوم ہو اور وہاں سے انسانوں میں تفریق، انتشار پیدا کیا جائے اور وہ ظالم و کافر طاقتوں کا مورچہ ہو، اس مسجد کو اللہ نے گرانے کا حکم دیا ہے اور ایسی مسجد، جس کی بنیاد تقویٰ، عدل و انصاف پر قائم ہو، وہ اللہ کی رضا اور انسانیت کی خدمت کا اعلیٰ نمونہ بنتی ہے۔ نیز آپ نے فرمایا کہ: حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ بانی تبلیغی جماعت نے فرمایا کہ: تمام مساجد مسجدِ نبوی کی بیٹیاں ہیں۔ جو کام مسجدِ نبوی میں ہوا، وہی آج ان مساجد میں کرنے کی ضرورت ہے۔

بعد ازاں حضرت اقدس رائے پوری دامت برکاتہم نے تین اینٹیں رکھتے ہوئے مسجد کا سنگِ بنیاد رکھا۔ پھر حضرت مفتی عبدالقدیر صاحب اور حضرت مولانا صاحبزادہ عبدالقادر صاحب نے اینٹیں رکھیں۔ اور اسی طرح ماڈل ایونیو ہاؤسنگ سکیم کے چیف ایگزیکٹو جناب میاں نذیر رامے نے بھی اینٹیں رکھیں۔ ان کے بعد حاضرین نے باری باری اینٹیں رکھیں۔ الحمدللہ! اس موقع پر کثیر تعداد میں معززین شہر اور علاقہ بھر کے متعلقین نے شرکت کی۔ اور اس مسجد کا انتظام و انصرام بھی جامعہ تعلیم القرآن ریلوے مسجد ہارون آباد کی انتظامیہ کے سپرد کیا گیا ہے۔ آخر میں دعا کے ساتھ یہ تقریب تکمیل پذیر ہوئی اور حاضرین کے لیے مسجد کی انتظامیہ کی جانب سے مٹھائی سے ضیافت کی گئی۔

www.rahimia.org

یادوں کے دریچے

میاں عطاء العزیز متیانہ

خانقاہِ اولیا ''خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور'' یادگار ماضی، جان دار حال اور شان دار مستقبل کی ضامن ہے۔ (اِنشاءاللہ) یہ خانقاہ' حکمت و دانائی کی تفصیلات سے متصف ہے اور بھرپور حُسنِ تعقل، حُسنِ تدبّر اور حُسنِ تفکر کی بے پناہ دولت سے مالا مال ہے۔ اہل خانقاہ قرآن کو اپنا امام، نور، ہدیٰ اور اس کے رحمت ہونے پر دلی یقین رکھتے ہیں۔ اسے سینے سے لگاتے ہیں۔ اس روحانی ادارہ کے اربابِ بَست وکشاد ہر متوسل، ہر منتسب کو احسان اور فیضانِ الٰہی کے قلوب پر نزول کے احساس کو اُجاگر کرنے، اللہ رب العزت کی عظمت، بزرگی اور فضیلت و کبریائی کو دلوں پر جمانے کی کیفیت کو فروغ بخشنے میں مرکزی کردار ادا کرتے ہیں۔ ان کی کوشش ہوتی ہے کہ ہر عقیدت مند کی عقیدت' بے بصر اور اس کی ارادت' بے ثمر نہ رہے اور وہ کہیں اپنے دعوائے عشق میں ناکام و نامراد ہو کر صنم سے بھی ہاتھ نہ دھو بیٹھے اور کہیں خدا کی رضا و قرب سے بھی محروم نہ رہ جائے۔ والیانِ خانقاہ ہمیشہ آرزومند رہتے ہیں کہ ان سے بیعت و توبہ کا تعلق رکھنے والا یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ الخ'' (191:3) (یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے اور فکر کرتے ہیں آسمان اور زمین کی پیدائش میں۔) تزکیۂ نفس اور تصفیہ قلب کے ضمن میں مذکورہ آیاتِ مبارکہ کا آئینہ دار بن جائے۔

''رحیمیہ'' کے کالم ''یادوں کے دریچے'' میں ''حضرت مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ میرے تایا میرے مرشد'' کے عنوان سے محترم ڈاکٹر عبدالرحمٰن راؤ آف سرگودھا کی نہایت حقیقت پر مبنی تحریر قلب کی کشادگی اور نظر کی تنویر کا سبب بنی۔ دل آویز، پُرمغز مضمون پڑھ کر خیال پیدا ہوا کہ کیوں نہ ''الہلال انجینئرنگ'' واقع ملتان روڈ لاہور میں پیش آنے والے واقعے کو سپردِ قلم کر کے قارئین کی معلومات میں اضافے کی سعادت حاصل کروں، تا کہ حق و باطل اور اصل و نقل کے مابین جو امتیاز ہے، اس کی نشان دہی ہو سکے۔ متعلقین یہ جان لیں کہ نورِ خدا سے قلوب کے جو چراغ جلا پاتے ہیں، وہ محض بُغض و عناد اور کفر کی پھونکوں سے نہیں بجھائے جا سکتے، بلکہ تُندیٔ بادِ مخالف کے جھونکوں اور جھکھڑوں سے تو یہ اَور تیزی پکڑتے ہیں اور شعلہ جوالا بن کر بھڑکتے ہیں کہ حق زور پکڑتا ہے، باطل دب جاتا ہے۔ اللہ والوں کا تمسخر اُڑانے والے خود استہزائے الٰہی کی زد میں آ کر ٹامک ٹوئیاں مارتے مارتے خس و خاشاک کی طرح بہے جاتے ہیں۔

جیسا کہ ڈاکٹر صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ ''حضرت مولانا شاہ سعید احمد رحمۃ اللہ علیہ کے مرشد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ آپؒ سے بہت محبت کرتے تھے۔ اس وجہ سے خاندان کے بزرگوں کو یہ گمان ہوتا تھا کہ ان کے جانشین آپؒ ہی ہوں گے۔'' اپنے والد بزرگوار کی وسیع و عریض جائیداد کے باوجود اپنے اور اپنے اہل خانہ کے وسائل کا بندوبست خود اپنے ذرائع سے کرتے۔'' اس نوع کے اور بھی واقعات اور حقائق ہیں، جن سے راقم الحروف خود بھی بوجہ قریبی تعلق دار کے واقف ہے۔ ذہن میں رہے کہ ایسے مراحل سے گزرنا اور گزارنا مجاہدات کے ضمن میں آتا ہے۔ درجاتِ روحانی کی سرفرازی و سربلندی ان سے وابستہ ہوتی ہے۔ اس لیے ان آزمائشوں کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کیا جاتا ہے۔ سنا گیا کہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیزؒ کو مجاہدات کی چکی کے پاٹوں میں پیسا گیا۔ تو آپ نے گو خوب تحمل کیا، اچھی تاب لا سکے، پھر بھی بتقاضائے بشریت اپنے نانا جان حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم کے مزارِ اقدس پر جا کر شکوہ سنج ہوئے تو عند الملاقات انھیں حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ نے فرمایا: ''باولے میری شکایتیں کرتا ہے حضرت اقدس سے۔ میں تو آپ کی بہتری کے لیے کرتا ہوں۔'' ؎

صوفی نشود صافی تا در نہ کشد جامے   بسیار سفر باشد تا پختہ شود خامے

احقر اصل میں یہ بتانا چاہتا ہے کہ حضرت مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کو بھی روحانیت کی بھٹی میں خوب تپایا گیا۔ سونا یونہی کندن نہیں بن جاتا۔ ہم ایسے لوگ بھی ان حقائق کا ادراک رکھتے تھے۔ سو جب حضرت مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کی جانشینی کا اعلان کیا گیا، پاکستان کے متعلقین کو بھی خبر پہنچ گئی۔ احقر زیادہ تر نورارتھ حضرت حاجی محمد یوسف خاں خلیفہ مجاز حضرت عبدالقادر رائے پوریؒ یا حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ کی خدمت میں وقت گزارا کرتا۔ اپنے والدین کے ہاں مہتہ جھیڈو کم ہی جایا کرتا۔ یہ ان کرم فرماؤں کی قلبی کشش تھی، جو مجھے ان کے در پر ہی روکے رکھتی۔ ان دنوں احقر اپنے گاؤں سے نورارتھ پہنچا تو حضرت حاجی محمد یوسف خاںؒ صاحب ملتے ہی گویا ہوئے ''ہن پتہ لگیا اے کہ حضرت مولانا سعید احمد صاحب نوں کیوں آزمایا جاندا سی۔'' اور ساتھ ہی فرمایا: ''حضرت مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری کو جانشین بنایا گیا ہے۔'' حضرت خاں صاحب بہت ہی خوش تھے۔ تادمِ وصال حضرت مولانا محمد یحیٰؒ دین پور (جتّو والا) بہاولنگر اور خاں صاحب موصوف ہر دو بزرگوں نے باوجود مجازیّت کے حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کا بھرپور ساتھ دیا اور اپنے آپ کو حضرت جانشین کا خدام ہونا ہی ظاہر کیا۔ یہ تحریر ذاتی تجربے اور عینی مشاہدے کی بنیاد پر قلم بند کی گئی ہے۔

حضرت مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کے ساتھ جانشینی کے اعلان سے پہلے اور بعد میں اپنوں اور بیگانوں (مذہبی ٹھیکے داروں) نے جو کچھ کیا، وہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں۔ حق کے علم برداروں کے ساتھ ہمیشہ ایسا ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔ غلبہ دین کے لیے مسلسل کوشاں رہنا اپنی صلاحیتوں کو اسی راستے پر خرچ کرنا، حق پر ڈٹے رہنا اور مشن کی تکمیل کی خاطر تمام تعلقات کی پرواہ نہ کرنا' خواہ کوئی سورج دائیں ہاتھ پر اور چاند کو بائیں ہاتھ پر لا کر رکھ دے۔ یہ سنتِ انبیاؑ ہے۔ والیانِ خانقاہ رائے پور انبیاؑ کے سچے وارث ہیں۔ اللہ اور اللہ کے رسولِ کریمؐ کی محبت ان کے دلوں میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ صحابہ کرامؓ کی عظمت ان کے رگ و ریشہ میں سرایت کیے ہوئے ہے۔ بھلا یہ کیوں کسی کی معاندت اور شماتتِ اعدا سے گھبرائیں۔ پاکستان کے سامراجی ذہنیت کے حامل علما نے دانستہ یا نادانستہ مخالفت کر کے کوئی نیا باب تو رقم کیا نہیں۔ حضرت مولاناؒ کا وقار اور نہ ہی خانقاہِ رائے پور کی عظمت کم ہو سکی کہ ؎

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے

اتنا ہی یہ اُبھرے گا جتنا کہ دبا دیں گے

عدوّ خود ہی شرمسار ہوا۔ عدالتوں کے اندر اور باہر ان کی جانب سے کی جانے والی مذموم مساعی پیشاب کی جھاگ کی طرح بیٹھ گئیں۔ حضرت شاہ سعیدؒ ہیں کہ ربّ ذوالجلال کے حضور سرخرو۔ آپؒ بزرگوں کے جس منتخب راستے پر چلے، وہ مشن اور خانقاہی کام مائل بہ عروج ہے۔ جانشین خامس حضرت اقدس مولانا عبدالخالق آزاد مدظلہٗ اپنے اکابرین کے مجوزہ خطوط پر "شریعت، طریقت اور سیاست" میں شب و روز جذب دروں کے ساتھ علمی اور عملی طور پر بہترین نمونہ بن کر قیادت فرما رہے ہیں۔ محترم ڈاکٹر صاحب نے جو انکشافات کیے، ان کا تین بٹا چار حصہ احقر کے سامنے گزرا۔ شاید کہیں اور کسی تحریر میں اس کا ذکر بھی ہوا ہو کہ احقر تین تین چار چار ماہ حسبِ ہدایت مرشدؒ ان کے دولت خانے پر سرگودھا رہتا یا سفر میں کئی کئی دن ان کی بے پایاں عنایت میں گزارتا۔ شاہینوں اور میرے پیروں کے شہر سرگودھا کے محلے کی مسجد میں حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمدؒ جمعہ کے روز خطاب فرماتے۔ دورانِ سفر جس شہر میں حضرت مولانا شاہ عبدالعزیزؒ کا قیام ہوتا، وہاں کی جامع مسجد میں اکثر یا محلے کی مسجد میں حضرت شاہ سعید احمدؒ کا خطاب نہ صرف علما و فضلا، بلکہ شہر کا دانش ور طبقہ خطاب سننے کے لیے سابقت کا جذبہ لیے ہوئے لپکتا۔ یوں فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ (9:62) کی مثال قائم ہو جاتی۔ خیبر سے لے کر پشاور تک، گرم سرد علاقوں سے متعلقہ مدارسِ دینیہ جن میں سے اکثر تحریکِ دیوبند کے اصولوں سے انحراف کر چکے ہیں اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا نام اور پروگرام کی نسبت کا اظہار محض اپنا سیاسی قدبُت بڑھانے کے لیے استعمال کرتے ہیں، اندر سے اپنے بونے قد سے شرمندہ در شرمندہ ہیں۔ خانقاہ عالیہ رحیمیہ کے جانشینوں کی سرپرستی کو باعثِ برکت سمجھتے تھے اور خانقاہ کی مقبولیت اور عنداللہ منظوریت کے پیشِ نظر کشاں کشاں کھچے چلے آتے۔ عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ پاکستان میں اُس وقت علمائے سُو کا عنصر ناپید تھا۔ شیطنت اور خباثت نے اپنے بال و پر نہیں نکالے تھے۔ دیوبندیوں میں مثالی وحدت تھی۔ حق کے متلاشیوں کی کثرت تھی کہ حق ملتا ہے حق والوں سے۔ تفرقہ نہ تھا۔ ویسے بھی خانقاہوں میں تفرقے کی تخم ریزی ہوتی ہی نہیں کیوں کہ ان کا مطمحِ نظر ؎

ما برائے وصل کردن آمدیم — نے برائے فصل کردن آمدیم

دلوں کو جوڑنا خانقاہی منشور کا حصہ ہے۔ یہاں مسلکی امتیاز اصولوں پر مبنی ہوتا ہے۔ البتہ خوش گلو خطیب اور واعظین ضرورتاً اپنے دل کی بھڑاس نکال لیتے تھے۔ تحریر کی طوالت کو سمیٹتے ہوئے قارئین کی توجہ "بیعت و خلافت" کے بارے میں خانقاہِ عالیہ رحیمیہ کے اکابرین کے "دائرۂ احتیاط" کی جانب مبذول کرانا چاہوں گا۔ یہ ایک بھاری سچ ہے کہ حضرت مولانا شاہ سعید احمدؒ کے ہوتے ہوئے کم ہی کسی کو نماز پڑھانے کی اجازت ہوتی۔

حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالعزیزؒ کا قیام علالت کے باعث "الہلال انجینئرنگ" لاہور میں تھا۔ ان دنوں چوہدری لئیق صاحب ساہیوال والے خدمت کے لیے موجود رہتے۔ سید ممتاز شاہ صاحب کو بقول ان کے حضرت مولانا شاہ سعید احمدؒ نے حضرتؒ کی خدمت کی غرض سے روک رکھا تھا۔ ورنہ یار بیلیوں نے انھیں چلے جانے کو کہہ دیا تھا۔ عتیق الرحمٰن صاحب انڈیا سے آئے ہوئے تھے۔ میری بھی ان سے خاصی شناسائی تھی۔ میں حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو باوجود دنیاوی اعذار کے واپس جانے میں ہفتہ عشرہ لگ ہی جاتا۔ لوٹنا چاہتا تو دل کی زبان گویا ہوتی ؎

اُجالے اپنی یادوں کے میرے ساتھ رہنے دو
نہ جانے کس گلی میں زندگی کی شام ہو جائے

سید نفیس شاہ صاحب عصر کے وقت حاضری دیتے۔ دو زانو بیٹھے رہتے۔ مغرب کی نماز پڑھ کر جاتے۔ وہ بھی موجود تھے۔ اسی دوران چند افراد بغرضِ بیعت و توبہ حاضر ہوئے۔ حضرت مولانا شاہ سعید احمدؒ اس وقت کہیں تشریف لے گئے تھے۔ صاحبزادہ راؤ عبدالقادر صاحب سے احقر نے عرض کیا کہ توبہ کے کلمات میں لکھ دیتا ہوں، آپ کہلواتے جائیں، تاکہ آنے والے بغیر بیعت واپس نہ چلے جائیں۔ تو انھوں نے جواب دیا "بھائی مولانا" موجود نہیں ہیں، وہ آئیں گے تو یہ بیعت ہو جائیں گے۔ مجھ سے رہا نہ گیا۔ حضرت اقدسؒ کے سرہانے کی طرف بیٹھا تھا۔ سہمے سہمے لہجے میں حضرت اقدسؒ سے عرض کیا کہ: حضرت! بھائی عتیق الرحمٰن انڈیا والے بیٹھے ہیں۔ وہ بیعت کروا دیں؟ کوئی جواب نہ ملا۔ دوسری بار ذرا اونچی آواز سے حضرت اقدس کی توجہ منعطف کروانا چاہی، لیکن جواب ندارد! تیسری بار عرض کرنے کی جسارت سے احساس ہوا کہ حضرت اقدسؒ کی جانب سے مکمل خاموشی ہے۔ یک گونہ سکوت ہے۔ تُو یہ بیوقوفی کیوں کر رہا ہے! ماحول پر گہرا سناٹا انکار کا غماز ثابت ہوا۔ میری تحریر کا مقصد صرف اور صرف یہی ہے کہ خانقاہ کے والیان بیعت اور بیعت کی اجازت دینے میں کس قدر محتاط تھے؟ کہ یہ کام کمزور طبائع کا نہیں۔ اکابرین خانقاہ ہر پھتو نتھو کے سر پر دستارِ خلافت سجانے میں دریا دلی اور فیاضی کا مظاہرہ نہیں فرماتے اور نہ ہی بیعت کے کلمات کہلوانے میں عجلت، تاکہ متعلقہ شخص اپنی مجازیّت، خلافت و طریقت کے ڈونگرے ہی نہ بجاتا پھرے۔ اسے کہیں عُجب پسندی کا اپھارہ نہ ہو جائے۔ یہ کام بہت ذمہ داری کا ہے۔ اخلاقیات کی تکمیل نہ ہو جائے۔ حُبِّ مال اور جاہ سربریدہ نظر نہ آئیں۔ نیز ربطِ شیخ کی مکمل شرائط و قیود کے ساتھ محافظت، صحبتِ شیخ کے ساتھ ساتھ ذکرِ الٰہی پر دوام نہ ہو تو کہاں یہ فریضہ ادا ہو سکتا ہے۔ بھلائی اسی میں ہے کہ اللہ والوں کی خدمت میں رہا جائے اور اسے ہی غنیمت جانا جائے۔

آج کل سب قدروں کو زوال آ گیا ہے۔ حزم و احتیاط کو دیمک چاٹ گئی۔ علم حجابِ اکبر بن گیا۔ حال یہ ہے کہ کمیں کمہاروں اور نائیوں کی "سیپی" کی طرز پر خانقاہوں سے وابستہ مریدوں میں خلافتوں کو بانٹ دیا جاتا ہے۔ مجازیّت کے لیے سفارشیں کروائی جاتی ہیں۔ نیز منقولہ و غیر منقولہ جائیدادوں اور وراثتوں کی تقسیم کے حصص مقرر کر لیے جاتے ہیں۔ نہ صحبتِ شیخ سے مستفیض اور نہ روح کے ذاکر ہونے کا انتظار اور سچے جانشینوں کی بے جا مخالفت پر اصرار در اصرار۔ اللہ اللہ! این چہ بوالعجبی است

خرد نے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل
دِل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں

www.rahimia.org

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ : فکر اور جدوجہد

مکتوب حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ

بنام

جناب مولانا محمد اعجاز عرفی قاسمی صدر آل انڈیا تنظیم علمائے حق، دہلی

(حضرت اقدس کا یہ مکتوب پندرہ روزہ ''فکرِ انقلاب''، دہلی کی ''اشاعتِ خصوصی بیادِ شیخ الہند'' جلد نمبر 2، شمارہ نمبر 44، مارچ 2014ء میں شائع ہوا۔)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم جناب مولانا محمد اعجاز عرفی قاسمی صاحب زید مجدہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

امید ہے کہ مزاجِ گرامی بعافیت ہوں گے۔ آپ کے گرامی نامے سے معلوم ہوا کہ آپ نے حضرت اقدس حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی قدس سرہٗ کی گرامی قدر خدمات کے تذکرے پر مبنی پندرہ روزہ ''فکرِ انقلاب'' کا ایک ضخیم نمبر شائع کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ آپ کا یہ عزم بلاشبہ بہت مبارک ہے۔ حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ ایک ایسی عظیم الشان شخصیت ہیں کہ تجدیدِ دین کے حوالے سے ان کی خدمات کی وجہ سے سب سے پہلے ان ہی پر ضخیم نمبر شائع ہونا چاہیے تھا۔ لیکن ان کے اولوالعزم شاگردوں کے تذکرے کے بعد ہی سہی، آپ کی یہ سعی انتہائی مبارک باد کی مستحق ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ ایک ایسی نابغہ روزگار شخصیت ہیں، جو بلاشبہ اس دور کے حکیم الامت اور مجدد الملت ہیں۔ دین کے تمام شعبوں میں انھوں نے امت کی کامیابی کے لیے جو درست حکمتِ عملی اختیار کی اور ملت کی تجدید کے لیے جیسی کدوکاوش کی ہیں، وہ انتہائی جامعیت لیے ہوئے ہیں۔ علوم قرآنیہ کے فروغ، آزادی وحریت کے حصول اور عدل وانصاف وامن وامان کے نظام کے غلبے کے لیے آپ کی مساعی زریں الفاظ سے لکھنے کے قابل ہیں۔ آپ شریعت، طریقت اور سیاست کی انتہائی جامع شخصیت ہیں۔

حضرت شیخ الہندؒ نے شریعت کے صاف شفاف چشمے سے سیرابی کے لیے ترجمہ قرآن حکیم، علوم نبوی کی تشریح وتفصیل اور تعلیم وتدریس سے لے کر فقہی ذوق کی ترویج تک ایک ایسا تجدیدی کارنامہ کیا ہے، جس کی مثال اس دور کے علما میں نہیں ملتی۔ اس سلسلے میں انھوں نے نہ صرف صفحۂ قرطاس پر اپنی تحقیقات کے گہرے نقوش چھوڑے، بلکہ ایسے انسان تیار کیے، جن کے نفوس ناطقہ پر شریعت کی حقانیت کا خوب رنگ چڑھا۔ انھوں نے ایسے مردانِ کار تیار کیے، جو فقاہتِ دینی میں ''فقیہ النفس'' کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوئے۔

اسی طرح حضرت شیخ الہندؒ نے طریقت کے شعبے میں ایسا مجددانہ کردار ادا کیا کہ ذوق ووجدان کی نئی راہیں انسانیت کے سامنے کھلیں۔ آپ اپنے مشائخ عالی مقام کی ارواح مقدسہ کے ساتھ ایسا گہرا ربط اور تعلقِ تام رکھتے تھے، جس نے آپ پر عالمِ بالا کے مقاماتِ عالیہ کے دروازے کھول دیے اور ملاءِ اعلیٰ کے فیضان نے آپ کے قلب وروح میں شعور وبصیرت کی شاہراہِ عظیم کھول دی۔ جس سے وہ نبض شناسِ زمانہ ہوئے اور انسانی ہدایت کے سرچشمے ان کے قلبِ صافی سے پھوٹے۔ ان کے قلبِ مصفّٰی کے چشمۂ فیض سے اخلاص وللّٰہیت اور احسان وسلوک کے پیکر ایسے حضرات تیار ہوئے، جو روحانیت کے بلند مقام پر فائز ہوئے۔ انھوں نے طریقت کو روایتی انداز کے گورکھ دھندوں سے نکال کر ولی اللّٰہی تعلیمات کی روشنی میں صحابہ کرامؓ کی صفتِ احسان کے مطابق طالبین وسالکین کی تربیت کا اہتمام کیا۔ یوں دورِ حاضر کے ایسے نبض شناس رجال کار تیار ہوئے، جنھوں نے انسانی قلوب کو انوارات الٰہیہ سے منور کرنے کا کردار ادا کیا۔

حضرت شیخ الہندؒ نے سیاست کے شعبے میں ایسا جامع راستہ اختیار کیا کہ جو اس دور میں ملتِ اسلامیہ کی بقا کے لیے لازمی تھا، بلکہ کل انسانیت کا فائدہ اسی راستے پر چلنے میں ہی تھا۔ آپ کی قلبی جرأت اور عقل وشعور کی حکمت نے سیاست کے میدان میں بڑا ہی جرأت مندانہ اور انقلابی کردار ادا کیا۔ ہندوستان پر برطانوی سامراج کے ظلم وجبر کے گھٹن زدہ ماحول میں حضرت شیخ الہندؒ نے انقلابی جرأت کے ساتھ اقدامات کیے۔ ایسے وقت میں کہ جب کہ روایتی علما حجروں میں بند ہو کر عافیت کے پردے میں گوشہ نشیں تھے، آپ نے آزادی وحریت کا غلغلہ بلند کیا۔ قوم کو انگریز سامراج کے خلاف قومی آزادی کا شعور دیا۔ قوموں کو زوال سے نکالنا' بڑے تدبر اور بصیرت کا تقاضا کرتا ہے۔ کٹھن حالات میں اپنی نسل کو بچاتے ہوئے حریت وآزادی سے ہم کنار کرنا ایک انتہائی اہم مرحلہ تھا، لیکن حضرت شیخ الہندؒ کے تدبر وبصیرت نے یہ کام انتہائی ذمہ داری، بالغ نظری اور شعوری حکمتِ عملی کے ساتھ کیا۔ انھوں نے قوم کو غلامی سے نجات دلانے کے لیے سامراج مخالف تحریکات برپا کیں اور قوم میں غلامی کی مزاحمت، سامراجی سسٹم سے بغاوت اور وطن کو آزاد کرانے کا شعور دیا، اور اسی کے ساتھ قوم کو تشدد، انتہاپسندی اور نفرت وانتقام سے مغلوب ہو کر مخبوط الحواس بنانے کی بجائے عدم تشدد کی حکمتِ عملی کے تحت انتہائی صبر وحوصلے سے اپنی قومی طاقت کو محفوظ کرنے کا راستہ متعین کیا۔ آپ نے عدم تشدد کی حکمتِ عملی کے تحت قومی زوال سے نکلنے کا ایسا شاندار راستہ متعین کیا، جو آج ایک طویل عرصہ گزرنے کے باوجود اپنے اندر جاذبیت اور ایک کشش رکھتا ہے۔ قوموں کی تاریخ کا سیاسی مطالعہ اس حقیقت کی نشان دہی کرتا ہے کہ دنیا بھر میں عدم تشدد کی حکمتِ عملی کے تحت ہی قومی آزادی کی جدوجہد صحیح نتائج پیدا کرتی ہے۔ انتہاپسندی اور تشدد زوال پذیر قوم کی مزید تباہی کا راستہ ہوتا ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ کی شریعت، طریقت اور سیاست کی جامع شخصیت کے نقش نگار کا اندازہ ہمیں ان کے دور میں دارالعلوم دیوبند سے تعلیم وتربیت حاصل کرنے والے اولوالعزم حضرات کی جدوجہد سے بھرپور زندگی سے ہوتا ہے۔ ان کی اس جامعیت کا اظہار جمعیت ثمرۃ التربیت، جمعیت الانصار، نظارۃ المعارف القرآنیہ دہلی، جامعہ ملیہ اسلامیہ (تب علی گڑھ) دہلی، جمعیت علمائے ہند جیسے عظیم اداروں اور اجتماعیتوں کی تشکیل اور صورت گری سے ہوتا ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ کی اس تمام تر تگ وتاز اور فکر وعمل کا منبع دراصل حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور ان کے سلسلۃ الذہب سے تعلق رکھنے

www.rahimia.org

والے علمائے ربانیین کی تعلیمات اور فکر وفلسفہ تھا۔ اسی لیے حضرت شیخ الہندؒ نے حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے لیے "حُجّة اللّٰه علىٰ العالمين" کا لقب استعمال کیا ہے اور بلاشبہ اس دور میں ولی اللّٰہی علوم وافکار کے حوالے سے اللہ کی حجت حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ کے ذریعے سے ظاہر ہوئی ہے۔

آج بڑے افسوس کی بات ہے کہ ہم بحیثیتِ مجموعی حضرت شیخ الہند کے بلند فکر وعمل اور ان کی عمدہ سیرت وکردار کو بھلا چکے ہیں اور جو قومیں اپنے سچے رہنماؤں کے افکار، تعلیمات اور جہد وکردار کو بھلا دیتی ہیں، زمانہ انھیں ایسی بھول بھلیوں میں ڈالتا ہے کہ نکلنے کا راستہ نہیں ملتا۔ ہمارا حال کچھ ایسا ہی ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم پر رحم فرمائے اور ہمیں حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ اور ان کے سلسلے کے اکابر علمائے حق کے راستے کی صحیح پہچان اور شعور حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور شریعت وطریقت اور سیاست کی جامعیت کے ساتھ ان کے شان دار کارناموں کو مزید آگے بڑھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

الحمدللہ! یہاں پاکستان میں ہمارے شیخ ومرشد حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری قدس سرہٗ نے اپنی ساری عمر حضرت شیخ الہندؒ کے فکر وعمل اور جہد وکردار کو نوجوانوں میں متعارف کرانے کے حوالے سے بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس کا نتیجہ ہے کہ ولی اللّٰہی فکر کے شائقین نوجوان علما اور طلبا حضرت شیخ الہندؒ کے بتلائے ہوئے راستے پر بڑے عزم واستقامت سے آگے بڑھ رہے ہیں۔ ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ لاہور میں علوم قرآنی کے اسی انداز واسلوب کو سامنے رکھا جاتا ہے، جو ولی اللّٰہی سلسلے کے علمائے حق، خاص طور پر حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ نے متعین کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اخلاص کے ساتھ ان حضرات کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آپ ایک بار پھر مبارک باد کے مستحق ہیں کہ آپ نے ہندوستان میں جرأت کر کے حضرت شیخ الہندؒ پر وقیع تحریرات جمع کر کے ایک ضخیم نمبر کی صورت میں شائع کرنے کا پروگرام بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو کامیابی عطا فرمائیں۔ اس نمبر کے لیے امام انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی اپنے استاذ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہٗ کے حالات پر لکھی جانے والی ایک پُر مغز تحریر ارسال کی جا رہی ہے۔ یہ دراصل حضرت سندھیؒ کی علمائے دیوبند کے کام کے تعارف اور ان کی تجدیدی حیثیت کو بیان کرنے کے لیے عربی میں لکھی ہوئی کتاب "التمهيد لتعريف ائمة التجديد" کی چند فصلیں ہیں۔ راقم سطور نے ان کا اردو ترجمہ اور حواشی لکھے ہیں۔ امید ہے کہ ایک عظیم شاگرد کے اپنے عظیم استاذ کے حوالے سے یہ تأثرات آپ کے نمبر کو مزید وقیع بنا دیں گے۔ (بقیہ دوسرا کالم)

دینی مسائل

اس صفحے پر قارئین کے سوالات کے جوابات دیے جاتے ہیں!

از جناب مفتی عبدالغنی قاسمی شعبہ دارالافتا ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

براہِ راست سوالات پوچھنے کے لیے رابطہ کریں **0321-4431184**

سوال(1): زید اپنی ملازمت کے سلسلے میں جدہ میں مقیم ہے۔ عمرہ کرنے کے ارادے سے احرام باندھ کر حرم مکہ (زادہا اللہ شرفا) میں داخل ہوا اور سعی صفا ومروہ سے فارغ ہو کر جدہ واپس ہو گیا اور اپنے گھر جا کر حلق کرواتا ہے۔ اور احرام کھولتا ہے۔ کیا یہ شرعاً جائز ہے یا نہ؟ عارف شمیم جدہ، سعودی عرب

جواب: حلق یا قصر (بال منڈانا یا چھوٹے کرانا) سے عمرہ یا حج کا احرام حدودِ حرم میں کھولنا ضروری ہے۔ حدودِ حرم سے باہر جدہ یا کہیں اور احرام کھولنے سے دم واجب ہوگا، یعنی ایک بکرا حدودِ حرم میں ذبح کرنا لازم ہے۔

سوال(2): زید کے پاس نقد رقم اور سونے چاندی کے زیورات موجود ہیں، جو نصاب زکوٰۃ سے زیادہ ہیں، مگر زید کی اولاد کی شادیاں ابھی ہونی ہیں، جن کے اخراجات شاید اس مالیت سے بھی پورے نہ ہو سکیں گے۔ کیا ایسی صورت میں نقد رقم یا سونے چاندی کے زیورات پر زکوٰۃ واجب ہوگی؟ جو محض اولاد کی شادی کے لیے رکھے ہوئے ہیں یا یہ زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہوں گے۔ مہر مسعود احمد، سرگودھا

جواب: اولاد نابالغ یا بالغ معذور کا نان ونفقہ تو والد پر ہے، لیکن شادیوں کے رسمی اخراجات شرعاً غیر ضروری ہیں۔ اور ان اخراجات کے لیے رکھے گئے زیورات اور نقد رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

(بقیہ مکتوب) اللہ تعالیٰ ہم سب کو اخلاص اور دینی شعور کی دولت سے مالا مال کرے اور دینِ اسلام کے غلبے کے لیے ہماری مساعی کو قبول فرمائے۔

والسلام (مفتی) عبدالخالق آزاد رائے پوری

(جانشین حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ

مسند نشین سلسلہ عالیہ رحیمیہ رائے پور)

وناظم اعلیٰ ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

مؤرخہ 9/صفر المظفر 1435ھ/13/دسمبر 2013ء

بروز جمعۃ المبارک

مجلس مشاورت

حضرت مولانا مفتی عبدالقدیر (چشتیاں)
حضرت مولانا مفتی عبدالغنی قاسمی (لاہور)
حضرت مولانا مفتی محمد مختار حسن (نوشہرہ)
حضرت مولانا صاحبزادہ عبدالقادر دین پوری (بہاولنگر)
حضرت مولانا صاحبزادہ رشید احمد (ڈیرہ اسماعیل خان)
حضرت سید مطلوب علی زیدی (لاہور)
حضرت مولانا مفتی محمد اشرف عاطف (سعودی عرب)
حضرت مولانا محمد اشرف انژ (حیدرآباد)
حضرت ڈاکٹر لیاقت علی شاہ معصومی (سکھر)
حضرت حاجی محمد بلال بلوچ (قاضی احمد)
محترم ڈاکٹر عبدالرحمٰن راؤ (سرگودھا)
محترم انجینئر آفتاب احمد عباسی (کراچی)
حضرت مولانا عبداللہ عابد سندھی (شکارپور)
حضرت مولانا پروفیسر ڈاکٹر تاج افسر (اسلام آباد)
حضرت مولانا محمد ناصر عبدالعزیز (جھنگ)
حضرت مولانا قاضی محمد یوسف (حسن ابدال)
حضرت مولانا مفتی محمد انور شاہ (کوئٹہ)
محترم سید خالد ریاض بخاری (سعودی عرب)
محترم قاری محمد ایاز جدون (مانسہرہ)

پرچہ ہر ماہ کی 3 اور 4 تاریخ کو ارسال کر دیا جاتا ہے۔
ممبرشپ کی رقومات کی ترسیل بنام
"رحیمیہ لاہور" میزان بینک قرطبہ چوک برانچ لاہور
اکاؤنٹ نمبر: 0219-0100328009 پر کریں!

مدیر اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع وناشر نے
اے۔ جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ، لاہور سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ "رحیمیہ" رحیمیہ ہاؤس
33/A کوئینز روڈ، لاہور سے جاری کیا۔